39

اپنی زندگی سادہ بناؤ، خلیفۂ وقت کے حکم پر ہر احمدی کو اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے

(فرمودہ 25/ اکتوبر 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"انسانی اعمال اُس کے حالات کے ماتحت بدلتے رہتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایسے اعمال جو جائز ہوتے ہیں ورنہ جو ناجائز اعمال ہیں وہ تو بہر حال ناجائز ہی ہیں۔ مگر جائز اعمال بھی حالات کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔ ایک شخص جو لاکھوں روپے کماتا ہے اگر اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ 1 کے ماتحت اُس کے جسم پر یا اُس کے کھانے میں ایسے آثار نظر آتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی اس نعمت کا شکریہ کہلانے کے مستحق ہیں تو یہ اَور بات ہے۔ لیکن وہی انسان اگر تجارت یا اپنے دوسرے کاموں میں نقصان کی وجہ سے اپنا مال کھو بیٹھتا ہے تو اس کو اپنے حالات کے ماتحت ان جائز کاموں میں بھی کمی کرنی پڑتی ہے۔ اور اگر اس کی اولاد اس کے مال کی تقسیم کی وجہ سے تھوڑے تھوڑے مال کی وارث ہو جاتی ہے اور اُسے اپنے ماں باپ کی طرح اپنی زندگی گزارنے کی توفیق نہیں ملتی اُس وقت عقل کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ وہ کم روپیہ میں گزارہ کرنے کی کوشش کرے اور یا پھر اپنی آمدنی کو بڑھانے کی تجویز کرے۔ اکثر تباہیاں دنیا میں اسی لئے واقع ہوتی ہیں کہ لوگ بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے۔ دنیا میں جس قدر بڑے بڑے خاندانوں کی تباہی کے واقعات ہوئے ہیں ان کی

تباہی کی 99 فیصدی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش نہ کی۔ مثلاً اسلام نے وراثت کی تقسیم لازمی رکھی ہوئی ہے۔ اگر کسی کا لاکھ روپیہ تجارت پر لگا ہؤا ہے اور دس ہزار روپیہ سالانہ اس کی آمد ہے تو وہ گویا آٹھ سو روپیہ ماہوار کما رہا ہے۔ اور اگر اُس کا دو تین لاکھ روپیہ تجارت پر لگا ہؤا ہے تو وہ چوبیس سو روپیہ ماہوار کما رہا ہے۔ لیکن فرض کرو اس کے آگے سات لڑکے ہیں۔ اگر اس کی آٹھ سو روپیہ آمدن تھی تو سات لڑکوں میں سے ہر لڑکے کی آمد ایک سو چودہ روپے کے قریب ہو گی اور ایک سو چودہ روپے کمانے والے کی حالت اور آٹھ سو روپیہ ماہوار کمانے والے کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی۔ بہت سے اخراجات تو ایسے ہیں جو لازماً سب کو ایک جیسے کرنے پڑتے ہیں۔ چاہے کوئی امیر ہو یا غریب۔ مثلاً بیماری ہے۔ بیماری کے اخراجات میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ بے شک خدا تعالیٰ نے کچھ سستی دوائیں بھی بنائی ہیں مگر طبیب کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ مریضوں کے حالات کے مطابق نسخہ لکھے۔ وہ تو قلم اٹھا کر جو نسخہ اسے یاد ہوتا ہے لکھتا چلا جاتا ہے اور اِس بات کی کوئی پروا نہیں کرتا کہ مریض دواؤں کے اخراجات کا متحمل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بے شک بعض ایسے طبیب بھی ہوتے ہیں جو بیماروں کی مالی حالت کا خیال رکھتے ہیں مگر ڈاکٹر قطعاً بیمار کا خیال نہیں رکھتے اور چونکہ عام طور پر ڈاکٹروں کو دواخانوں سے کمیشن ملتا ہے اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم جتنا بھی قیمتی نسخہ لکھیں گے اتنا ہی ہمارا فائدہ ہو گا۔ قادیان میں جو ڈاکٹر ہیں ان کا تو یہ حال نہیں لیکن ماہر ڈاکٹروں کو چونکہ دواؤں میں سے کمیشن ملتا ہے اس لئے وہ کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ قیمتی نسخے لکھیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک غریب آدمی ان کے پاس علاج کے لئے آتا ہے تو وہ اسے کہہ دیتے ہیں کہ تمہیں سو روپے کے ٹیکے لگیں گے۔ روپیہ لاؤ تو ٹیکے کر دیئے جائیں گے۔ حالانکہ وہ غریب جو اپنے بچہ کی شادی پر بھی سو روپیہ خرچ کرنے کی توفیق نہیں رکھتا وہ ٹیکوں کے لئے سو روپیہ کہاں سے لا سکتا ہے۔ کسی نے دوڑ دھوپ کر کے دوستوں سے مانگ لیا تو علاج ہو گیا۔ ورنہ عام طور پر جب کوئی روپیہ خرچ نہ کر سکے تو اسے کہہ دیا جاتا ہے کہ تمہارا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہوتا ہے۔ آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بیماری کا علاج تو سو روپے کا ٹیکا

رکھا ہو لیکن دیا اس کو ایک پیسہ نہ ہو۔ اگر یہ بات تسلیم کی جائے تو اس سے خدا تعالیٰ پر الزام عائد ہوتا ہے کہ اس نے ایک شخص کے جسم میں بیماری تو پیدا کر دی جس کا علاج سو روپیہ کے ٹیکوں کے سوا اَور کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا مگر اسے علاج کے لئے ایک پیسہ بھی نہ دیا۔ بہر حال دو صورتوں میں سے ایک صورت ہمیں ضرور تسلیم کرنی پڑے گی۔ یا تو ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ ڈاکٹر جھوٹا ہے اور یا ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ خدا تعالیٰ ظالم ہے۔ اب ڈاکٹر خود ہی سمجھ لیں کہ وہ ان دونوں میں سے کس بات کو درست تسلیم کرنے کی ہم سے امید کر سکتے ہیں۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ پر الزام لگائیں گے یا ان کو غلطی پر سمجھیں گے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ خدا تعالیٰ پر الزام عائد نہیں کیا جا سکتا اس لئے ہمیں یہی کہنا پڑے گا کہ وہ ڈاکٹر غلطی پر ہیں جو قیمتی دواؤں کے سوا اَور کوئی علاج ہی نہیں بتا سکتے۔

حضرت خلیفہ اول فرمایا کرتے تھے کہ مجھ پر ایسا دور بھی آیا ہے جب کہ مَیں صرف جڑی بُوٹیوں سے لوگوں کا علاج کیا کرتا تھا۔ مریض آتا تو مَیں اسے کہہ دیتا کہ اس اس شکل کی ایک بُوٹی ہوتی ہے کل اُسے توڑ لانا تمہارا علاج ہو جائے گا۔ وہ توڑ لاتا اور اسی بُوٹی سے اس کے مرض کا علاج کر دیا جاتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے ہم نے سالہا سال تک اس کا تجربہ کیا اور ہمیں کبھی بھی کسی اَور دوا کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اسی طرح آپ کو شوق تھا کہ دواؤں پر کم سے کم خرچ آئے۔ چنانچہ ایک لمبے تجربہ کے بعد آپ نے دواؤں کی ایک ایسی لسٹ تیار کر لی تھی جو چند پیسوں میں تیار ہو جاتی تھیں اور بہت سے امراض میں کام آیا کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دوائی ہمیشہ مفت دیا کرتے تھے۔ ڈاکٹروں کا عام طور پر یہ دستور ہوتا ہے کہ وہ نسخہ لکھ کر اپنے دواخانہ میں بھجوا دیتے ہیں اور دواخانہ والے جس قدر نفع چاہیں لے لیتے ہیں۔ مگر آپ ہمیشہ اپنے مطب میں دوائیں تیار کر کے رکھا کرتے تھے۔ مریض کو نسخہ لکھ دیتے اور وہ آپ کے دواخانہ سے مفت دوا لے لیتا۔ شاذ و نادر کے طور پر آپ بعض لوگوں کو زائد دوائیں بھی لکھ دیتے تھے۔ مثلاً جو شاندہ وغیرہ جس کی اشیاء مریض کو بازار سے خریدنی پڑتی تھیں مگر وہ بھی اتنا سستا نسخہ لکھتے تھے کہ مریض پر ذرا بھی بوجھ نہیں پڑتا تھا۔ مگر اس زمانہ میں عام طور پر ڈاکٹر بھی اور اب ڈاکٹروں کی اتباع میں اطباء بھی ایسے ایسے نسخے لکھتے ہیں جو نہایت گراں خرچ پر تیار

ہوتے ہیں۔ غالباً اطباء نے یہ سمجھا ہے کہ اگر وہ اپنے نسخہ کی قیمت نہ بڑھائیں گے تو لوگ کہیں گے انہیں آتا کچھ نہیں۔ اِسی لئے پہلے تو وہ سستی دوائیں دیتے تھے مگر اب انہوں نے بھی دوائیں نہایت گراں قیمت پر فروخت کرنی شروع کر دی ہیں حالانکہ اگر وہ غور سے کام لیں تو جن دواؤں کا وہ گراں قیمت پر انتظام کرتے ہیں اُسی قسم کے فوائد رکھنے والی دوائیں وہ سستے داموں پر بھی لوگوں کو مہیا کر سکتے ہیں۔ بہر حال مَیں ذکر یہ کر رہا تھا کہ علاج ایک ایسی چیز ہے جس میں کوئی کمی نہیں کی جا سکتی جب تک خود ڈاکٹر کمی نہ کرے۔ مثلاً ڈاکٹر یہ دیکھ لے کہ اس شخص کے باپ کی آٹھ سو روپیہ آمد تھی اور اس کی سو روپیہ آمد ہے اِس لئے مَیں اگر اس کے باپ کو ایک سو روپیہ کا نسخہ لکھ کر دیا کرتا تھا تو اس کو دو آنے کا نسخہ لکھ کر دوں۔

ہمارے دادا کا قصہ مشہور ہے۔ ایک دفعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب سری گوبند پور میں شکار کے لئے آئے۔ ان کے ساتھ ایک باز والا تھا جسے اتفاقاً نزلہ ہو گیا۔ ہمارے دادا طب بھی کرتے تھے۔ دلّی میں انہوں نے باقاعدہ یہ علم حاصل کیا تھا اور گو انہوں نے علمِ طب کو پیشہ کے طور پر کبھی اختیار نہیں کیا لیکن مخلوق کی خدمت اور لوگوں کی خیر خواہی کے لئے اس فن سے بھی کام لیا کرتے تھے۔ جب باز والے کو نزلہ ہوا تو وہ گھبرایا کہ کل شکار کا دن ہے اگر مَیں زیادہ بیمار ہو گیا تو مہاراجہ صاحب ناراض ہوں گے کہ عین کام کے دن بیمار ہو گیا۔ چنانچہ وہ ہمارے دادا کے پاس آیا اور علاج کی درخواست کی۔ آپ نے اس کے لئے نسخہ لکھا جو ایک پائی میں تیار ہو گیا اور اس کے استعمال سے اسے فوری طور پر افاقہ ہو گیا۔ اُسی دن مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے لڑکے کو بھی نزلہ ہو گیا۔ کسی نے ذکر کیا کہ باز والے کو یہی شکایت ہو گئی تھی جس پر مرزا صاحب نے اُسے ایک نسخہ لکھ کر دیا اور اسے فوراً آرام آ گیا۔ شہزادہ نے ہمارے دادا کو بلوایا اور اپنے نزلہ کا ذکر کیا۔ اُنہوں نے ایک نسخہ لکھ کر دے دیا۔ جب نسخہ بنوانے کے لئے پنساری کے پاس بھیجا گیا تو اس نے بتایا کہ اِس پر پانچ سو روپیہ خرچ آئے گا۔ شہزادہ یہ سن کر بہت ناراض ہوا۔ آخر معمولی زمینداروں سے وہ یکدم بادشاہ بن گئے تھے۔ اُن کے لئے یہ بات حیرت کا موجب ہوئی کہ ایک ہی مرض کا نسخہ لکھوایا گیا تھا مگر ایک شخص کو تو انہوں نے ایسا نسخہ لکھ کر دے دیا جس پر ایک پائی خرچ آئی اور ہمیں ایک ایسا نسخہ لکھ کر دیا جس پر پانچ سو روپیہ خرچ

آتا ہے۔ اس لئے شہزادہ نے ہمارے دادا کو بلوایا اور کہا کہ آپ کو مجھ سے کیا دشمنی تھی کہ آپ نے مجھ سے یہ سلوک کیا؟ آخر مجھ کو بھی وہی بیماری تھی جو باز والے کو تھی۔ مگر باز والے کو تو آپ نے ایک پائی کا نسخہ لکھ کر دیا اور مجھے پانچ سو روپیہ کا نسخہ لکھ دیا۔ ہمارے دادا نے نسخہ لیا اور اسے پھاڑ کر پھینک دیا اور کہا اگر نسخہ استعمال کرنا ہے تو یہی کرنا ہوگا۔ نہیں تو کسی اَور سے علاج کروالیں۔ پھر کہا یہ جو پنساری ہیں آخر ان کا بھی گزارہ چلنا ہے یا نہیں۔ اگر مَیں پائی پائی کا ہی نسخہ لکھ کر دوں تو ان کی دکان کس طرح چل سکتی ہے ان کا تو ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ کا خرچ بھی اِس طرح نہیں نکل سکتا۔ مَیں نے باز والے کو اس کی حیثیت کے مطابق نسخہ لکھ کر دیا ہے اور آپ کو آپ کی حیثیت کے مطابق نسخہ لکھ کر دیا ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کی تجارت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا فن ترقی کرے تو مَیں آپ کے لئے ایسا ہی نسخہ لکھوں گا جو پانچ سو روپیہ میں تیار ہو۔ ورنہ آپ کی مرضی جس سے چاہیں آپ علاج کروالیں۔ یہ بھی ایک طریق تو ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ بعض تجارتیں چلانے کے لئے امراء کو قیمتی دوائیں لکھ کر دی جاسکتی ہیں۔ مگر عام طور پر اس زمانہ میں سستے علاج کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور امیر و غریب سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیماری کے معاملہ میں امیر اور غریب میں فرق کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ غریب یا تو بغیر علاج کے مر جاتا ہے یا اپنی ساری پونجی دواؤں پر تباہ کر دیتا ہے۔

مگر بہت سے اَور اخراجات اس قسم کے ہیں کہ ان میں فرق کیا جا سکتا ہے مثلاً باپ پلاؤ کھایا کرتا تھا تو بیٹا گوشت روٹی کھا سکتا ہے۔ یا باپ گوشت روٹی کھایا کرتا تھا تو بیٹا دال روٹی کھا سکتا ہے۔ یا باپ دال روٹی کھایا کرتا تھا تو بیٹا خالی روٹی کھا سکتا ہے۔ لیکن بہرحال جب تک وہ اپنے اخراجات کو اپنے باپ کے حالات سے بدلے گا نہیں وہ آرام کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ مثلاً شادی بیاہ کا معاملہ ہے۔ اِس بارہ میں عام طور پر عورت اگر اپنے مرد کو کوئی مشورہ بھی دے گی تو وہ ایسا ہی ہوگا جس کے نتیجہ میں بہت زیادہ روپیہ خرچ ہو۔ وہ یہ نہیں سمجھتی کہ جو مشورہ مَیں اپنے خاوند کو دے رہی ہوں وہ خود میری اولاد کی تباہی کا موجب ہوگا۔ وہ ہر قسم کے عواقب کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے خاوند سے کہتی ہے۔ تمہاری بیٹیوں کی شادی ہے،

اگر تم نے اس موقع پر کچھ خرچ نہ کیا تو وہ کیا کہیں گی۔ ان کی پھوپھیوں کی شادی ہوئی تھی تو تمہارے باپ نے اِس اِس طرح روپیہ خرچ کیا تھا۔ اب ان کی شادی کا وقت آیا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اسی طرح روپیہ خرچ کرو جس طرح تمہارے باپ نے خرچ کیا تھا۔ وہ یہ نہیں سمجھتی کہ جب ان کی پھوپھیوں کی شادی ہوئی تھی اس وقت خاندان کی کیا حالت تھی۔ اس وقت کتنا مال تھا اور اب کتنا مال ہے۔ اس وقت تو جس قدر مال تھا صرف باپ کے قبضہ میں تھا مگر اب اس کی جائیداد سات حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود وہ مشورہ یہی دیتی ہے کہ تمہیں ویسا ہی خرچ کرنا چاہئے جیسے تمہارے باپ نے خرچ کیا تھا۔ پھر ہمسائے آتے ہیں اور اپنی آنکھوں میں جھوٹے آنسو بھر کر (خواہ مرچیں لگانے کی وجہ سے ہی انہیں آنسو آئے ہوں) کہتے ہیں آپ کے والد صاحب کا زمانہ یاد آتا ہے تو رونا آتا ہے۔ اللہ بخشے بڑی خوبیوں والے انسان تھے۔ انہوں نے فلاں کام یوں کیا اور فلاں کام یوں کیا۔ بیٹا صاحب یہ بات سنتے ہیں تو فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اگر اولاد تباہ ہوتی ہے تو بے شک ہو جائے مگر مَیں اپنے والد کی ناک کو ضرور قائم رکھوں گا۔ حالانکہ ناک تو تب قائم رہ سکتی ہے جب اولاد موجود ہو۔ اگر اولاد ہی نہ ہو یا، اگر اولاد تو ہو مگر وہ ذلیل ترین زندگی بسر کر رہی ہو تو باپ کی ناک نے کیا قائم رہنا ہے۔ وہ تو سارے کا سارا گم ہو جائے گا کیونکہ اس کا نام اگر قائم ہو سکتا تھا تو اولاد کے ذریعہ۔ جب وہ ذلیل ہو گئی تو اس کا ناک کس طرح قائم رہا۔ مگر وہ اس بات کی کوئی پروا نہیں کرتے اور کوشش کرتے ہیں کہ اسی معیار کو قائم رکھیں جو ان حالات سے جداگانہ حالات میں ان کے باپ دادا نے قائم کیا تھا۔ اس طرح خاندان تباہ ہوتے جاتے ہیں اور معزز لوگ ذلیل ہو جاتے ہیں۔

جس طرح افراد کی زندگی پر اِس قسم کے دور آتے ہیں۔ قوموں کی زندگی میں بھی ایسے دَور آیا کرتے ہیں اور پھر بسا اوقات ایسے قدرتی حوادث کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے جو کسی کے وہم اور گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ فرض کرو ایک شخص کی بھی سو روپیہ آمدن ہے۔ دوسرے شخص کی بھی سو روپیہ آمدن ہے۔ تیسرے شخص کی بھی سو روپے آمدن ہے اور پھر اُن کے بیوی بچے بھی برابر ہیں۔ لیکن بارش ہوئی ایک کا مکان گر گیا اور دوسروں کے مکان سلامت رہے۔ اب خواہ ان تینوں کی آمد یکساں تھی۔ جب تک وہ سو روپیہ والا جس کا مکان

بارش کی وجہ سے گر گیا ہے اپنے اخراجات میں کفایت سے کام نہیں لے گا اور دوسروں کے مقابلہ میں تھوڑے روپوں پر گزارہ نہیں کرے گا اس وقت تک وہ اپنا مکان دوبارہ تعمیر نہیں کر سکتا۔ اگر وہ اپنا مکان بنانا چاہے گا تو یہ لازمی بات ہے کہ سال دو سال تک اسے اپنے اخراجات میں کمی کرنی پڑے گی۔ اگر وہ کم نہیں کرے گا تو بہر حال اسے قرض لے کر اپنا مکان بنانا پڑے گا اور پھر ممکن ہے قرض اُتارنے کے لئے اسے اپنا مکان کسی دوسرے کے پاس رہن رکھنا پڑے۔ پس گو آمدن سب کی برابر ہو گی لیکن حالات کے بدلنے کی وجہ سے اس پر اَور قسم کے بوجھ ہوں گے اور اُس پر اَور قسم کے۔ اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے مَیں نے ہمیشہ اپنی جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ اسے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر ایک مکان بنانے والے کو اپنے حالات بدلنے پڑتے ہیں، اگر شادی بیاہ کرنے والے کو اپنے حالات بدلنے پڑتے ہیں، اگر علاج کرانے والے کو اپنے حالات بدلنے پڑتے ہیں اور اسے اپنی آمدن میں سے ایک حصہ ان اشیاء کے لئے الگ کرنا پڑتا ہے تو وہ قوم جس کے ذمے ساری دنیا کی روحانی فتح ہے اور جس نے دنیا کو بدل کر ایک نئے رنگ میں ڈھالنا ہے اُس کے لئے اپنے حالات میں کتنے بڑے تغیر اور کتنی عظیم الشان تبدیلی کی ضرورت ہے۔ پھر ہماری جماعت کے ذمہ یہ بھی کام ہے کہ وہ غریبوں اور امیروں میں مساوات قائم کرے۔ اور وہ خلیج جو اِن دونوں میں حائل ہے اُسے دور کرے۔ پھر ہماری جماعت کے ذمہ یہ بھی کام ہے کہ وہ اُن اخلاقِ حسنہ کو دوبارہ قائم کرے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قائم کئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں کھڑا کیا ہے تو اس لئے تو کھڑا نہیں کیا کہ پہلے دنیا میں فساد کم تھا اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ایک اَور جماعت کو کھڑا کر کے اس فساد کو اَور بھی بڑھا دے۔ آخر کوئی چیز تھی جو کھوئی گئی تھی اور اس چیز کو واپس لانا اللہ تعالیٰ کے منشاء میں داخل تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب غارِ حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے کرتے اُس کا کلام نازل ہوا اور فرشتہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو کر کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ [2] تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے گھبراہٹ محسوس کی کہ اِتنا بڑا کام جو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے سپرد کیا گیا ہے مَیں کس طرح سر انجام دے سکوں گا۔ ایسا نہ ہو کہ مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے اور مَیں بجائے اللہ تعالیٰ کا انعام پانے کے اس کی نگاہ میں مجرم بن جاؤں۔ چنانچہ آپ اسی گھبراہٹ کی حالت میں اپنے گھر آئے اور اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ سے ذکر کیا کہ اِس اِس طرح خدا تعالیٰ کا کلام مجھ پر نازل ہوا ہے اور پھر فرمایا لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ3 خدا تعالیٰ کی بات پر تو مجھے یقین ہے لیکن مَیں ڈرتا ہوں کہ کوئی غلطی نہ کر بیٹھوں۔ اِس پر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی اور جو باتیں انہوں نے آپ کی تسلی کے لئے کہیں ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ4 وہ اخلاقِ فاضلہ جو دنیا سے معدوم ہو چکے تھے آپ اُن کو قائم کر رہے ہیں۔ پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا آپ کو ضائع کر دے؟ وہ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ جو متاعِ دنیا سے کھوئی گئی تھی، جو خدا تعالیٰ کے قائم کردہ مذاہب میں بھی نہیں رہی تھی اُسے آپ واپس لا رہے ہیں۔ اِس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ تباہ ہو جائیں کیونکہ اگر آپ تباہ ہو جائیں تو ساتھ ہی وہ چیز بھی تباہ ہو جائے گی جس کی دنیا کو اس وقت تلاش ہے۔ پس ضرور ہے کہ وہ آپ کے وجود کو قائم رکھے کیونکہ بغیر آپ کے وجود کے وہ اخلاقِ فاضلہ قائم نہیں ہو سکتے جن کا دنیا میں قائم ہونا ضروری ہے۔ اس لئے خدا آپ کی خود حفاظت کرے گا اور وہ آپ کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ یہی نکتہ ہے جو ہر زندہ جماعت کو اپنے مدنظر رکھنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بھی کوئی جماعت قائم کی جاتی ہے صرف اس لئے قائم کی جاتی ہے کہ وہ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ کے مطابق اُن اخلاقِ فاضلہ کو جو دنیا سے مٹ چکے ہوں پھر دوبارہ قائم کرے اور پھر نیکی اور تقویٰ کی رَو دنیا میں چلا دے۔ جب تک کوئی جماعت اس کام کو سر انجام نہیں دیتی اُس وقت تک اُس کا وجود دنیا کے لئے قطعاً کسی فائدہ کا موجب نہیں ہو سکتا۔ آخر جماعتیں دنیا میں پہلے بھی کم نہیں تھیں۔ ان جماعتوں کے ساتھ ایک اَور جماعت کا قیام اپنے اندر کیا حکمت رکھتا تھا۔ اگر کوئی اہم مقصد سامنے نہ ہو تو ایک کی جگہ دو انجمنوں کا قیام یا دو کی جگہ تین انجمنوں کا قیام اسلام اور مسلمانوں کے لئے مُضِر تو ہو سکتا ہے مفید نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر دوسری انجمن کسی اور کام کے لئے کھڑی ہوتی ہے جو اپنی ذات میں مفید ہوتا ہے

اور تیسری انجمن کسی اَور کام کے لئے کھڑی ہوتی ہے جس کا اپنی ذات میں فائدہ ہوتا ہے تب بے شک ان کا تعدّد بھی مفید نتائج پیدا کرنے والا ہو سکتا ہے۔

پس ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ہماری جماعت دنیا میں کس لئے قائم ہوئی ہے۔ کیا اِس لئے قائم ہوئی ہے کہ مسلمانوں کے بہتّر فرقے کم تھے اور وہ پوری طرح آپس میں لڑتے جھگڑتے نہیں تھے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ایک تہتّرواں فرقہ قائم کر دے تا کہ وہ خوب لڑیں اور اللہ تعالیٰ ان کا تماشا دیکھے ؟ اللہ تعالیٰ کی ذات اِس قسم کا تماشا دیکھنے سے بہت بالا ہے۔ وہ کبھی پسند نہیں کرتا کہ اُس کے بندے آپس میں لڑیں اور ایک دوسرے سے جھگڑا جاری رکھیں یا وہ لڑائی جھگڑا کریں تو خود تماشا دیکھنے لگ جائے۔ یہ ذلیل ترین انسان کا کام ہوا کرتا ہے۔ شریف انسان بھی ایسا نہیں کیا کرتے۔ اور خدا تعالیٰ کی ذات تو اس قسم کی باتوں سے بہت ارفع اور بالا ہے۔ اس کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اُس نے ایک نئی جماعت کا قیام محض فرقوں کی تعداد بڑھانے یا لڑائی جھگڑے میں اضافہ کرنے کی نیت سے کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو محض اس لئے قائم کیا ہے کہ وہ اخلاقِ حسنہ دنیا میں قائم کرے جو آج ہمیں معدوم نظر آتے ہیں۔

یہی غرض میری تحریک جدید کے قیام سے تھی۔ چنانچہ تحریک جدید کے جو اصول مقرر کئے گئے تھے اُن میں جہاں یہ امر مدِ نظر رکھا گیا تھا کہ جماعت اپنے حالات کو بدلنے کی کوشش کرے وہاں اس امر کو بھی مدِ نظر رکھا گیا تھا کہ ان اصول پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جماعت کو اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے زیادہ سے زیادہ سامان میسر آ سکیں۔ اسی طرح تحریک جدید کے اصول میں اِس امر کو بھی مدِ نظر رکھا گیا تھا کہ امراء اور غرباء میں جو خلیج حائل ہے اور جس کی بناء پر امراء میں کبر اور خود پسندی اور بڑائی اور احسان جتانے کا مادہ پایا جاتا ہے اس کو دور کیا جائے۔ چنانچہ تحریک جدید میں کچھ قواعد مقرر کئے گئے جن کی غرض جماعت کے لوگوں میں اس قسم کا تغیر پیدا کرنا تھا۔ مثلاً کہا گیا کہ سب دوست یہ عہد کر لیں کہ وہ آئندہ ہمیشہ ایک کھانا کھائیں گے، سینما نہیں دیکھیں گے۔ شادی بیاہ میں جہاں تک ہو سکا اپنی حیثیت کے مطابق بلکہ اس سے بھی کم خرچ کریں گے اور اس طرح اپنے روپیہ کو بچا کر اسلام

اور احمدیت کی خدمت سر انجام دیں گے۔ ان تمام مطالبات کا مقصد محض جماعت کے اندر اخلاقِ حسنہ کو قائم کرنا تھا اور ان مطالبات کا مقصد محض یہ تھا کہ جماعت اپنے حالات کے مطابق خرچ کرنے کی عادت ڈالے اور تباہی کے گڑھے میں گرنے سے محفوظ رہے۔ اِسی طرح امراء اور غرباء میں جو تفاوت پایا جاتا ہے وہ روز بروز کم ہوتا چلا جائے۔ سینما دیکھنے کی جو ممانعت کی گئی تھی وہ بھی اِسی کے ماتحت آجاتی ہے کیونکہ اس سے روپیہ الگ ضائع ہوتا ہے اور اخلاق الگ تباہ ہوتے ہیں۔ جن دنوں یہ تحریک ہوئی ہماری جماعت نے خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑی شدت سے اِس پر عمل کیا۔ اور مَیں نے دیکھا کہ غیروں پر اس کا نمایاں اثر تھا۔ چنانچہ جہاں سے بھی رپورٹیں آتی تھیں یہی آتی تھیں کہ لوگ اس تحریک کے اصول کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں اور وہ بے اختیار یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کتنے اعلیٰ درجہ کے قواعد تجویز کئے گئے ہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ لوگوں نے تحریکِ جدید کے اصول کی تعریف کی، انہوں نے ان قواعد کی نقل کرنے کی کوشش نہ کی۔ اب مسلمانوں پر بھی ایک مصیبت کا دَور آیا ہے تو مَیں دیکھ رہا ہوں کہ وہی اصول جو تحریک جدید کے ذریعے مَیں نے پیش کئے تھے آج مسلمان انہی کی نقل کرنے اور ان کو اپنے اندر جاری کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جس طرح 1934ء میں ہمارا اور احرار کا مقابلہ ہوا تھا اسی طرح اب مسلمانوں اور اہلِ ہنود کا مقابلہ ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ جیسے احرار کے مقابلہ میں مَیں نے تحریک کی تھی ویسی ہی تحریک گو مردوں میں تو نہیں مگر مسلمان عورتوں میں عام طور پر جاری ہو چکی ہے اور تمام پنجاب میں عورتوں کی طرف سے تقریریں کی جا رہی ہیں کہ انہیں اپنے اخراجات میں کفایت سے کام لینا چاہئے۔ یہ تحریک دراصل اُنہی دنوں شروع ہو گئی تھی جب مَیں ڈلہوزی میں تھا اور مجھے معلوم ہوا کہ عورتوں میں یہ تحریک بڑے زور سے جاری ہے کہ مسلمانوں سے سَودا خریدنا چاہئے۔ اپنے کپڑوں اور زیورات میں سادگی اختیار کرنی چاہئے، ایک کھانا کھانا چاہئے اور اس طرح اپنی مالی اور تنظیمی قوت کو مضبوط کرنا چاہئے۔ ایک عورتوں کی مجلس میں اِس کا ذکر ہوا تو میری ایک بیوی جو اس میں شامل تھیں انہوں نے کہا کہ تم اپنے پروگرام میں یہ بات بھی شامل کرو کہ ہم سینما نہیں دیکھیں گی۔ شادی پر تو دس پندرہ سال کے بعد روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے لیکن سینما

دیکھنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہر ہفتہ میں کئی روپے اس پر خرچ ہو جاتے ہیں۔ اگر فی ہفتہ دو روپے بھی اوسط رکھی جائے تو آٹھ روپیہ ماہوار ایک شخص کا سینما پر خرچ ہوتا ہے۔ اگر ایک خاندان کے چار افراد ہوں تو بتیس روپیہ ماہوار اُن کا خرچ ہو گا۔ اِس کے معنے یہ ہیں کہ ایک اوسط درجہ کے خاندان کا چار سو روپیہ سالانہ سینما پر خرچ آتا ہے اور دس سال میں چار ہزار روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ عورتوں نے اِس کی معقولیت تسلیم کی اور کہا کہ ہم اپنے پروگرام میں اس چیز کو ضرور شامل کریں گی۔ چنانچہ کل جہلم سے ایک احمدی خاتون کا خط آیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں ۔ یہاں مسلمان عورتوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں لاہور سے بھی تقریر کرنے والی عورتیں آئیں اور اُن سب نے اس موضوع پر تقریریں کیں کہ آئندہ ہمیں ایک کھانا کھانا چاہئے، سادہ کپڑے پہننے چاہئیں، زیورات پر کم خرچ کرنا چاہئے، مسلمانوں سے اپنی ضرورت کی اشیاء خریدنی چاہئیں، شادی بیاہ پر اِسراف سے کام نہیں لینا چاہئے اور سینما نہیں دیکھنا چاہئے۔ وہ کہتی ہیں۔ مَیں اُن کی تقریریں سنتی تو مجھے یوں معلوم ہوتا کہ گویا تحریک جدید کے قواعد اور اصول ہی وہ جلسہ میں سنا رہی ہیں۔ اسی طرح اَور جگہوں سے بھی رپورٹیں آ رہی ہیں کہ عورتوں میں یہ تحریک بڑے زور سے جاری ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ جب عورتوں میں یہ تحریک پورے طور سے کامیاب ہو گئی تو آہستہ آہستہ مرد بھی اس طرف متوجہ ہو جائیں گے بلکہ مردوں میں بھی سینما کے خلاف تحریک شروع ہو گئی ہے۔ ہمارا کام تو صرف اِتنا ہوتا ہے کہ نیک تحریک کر دی۔ جو لوگ اخلاص رکھنے والے ہوتے ہیں وہ آپ ہی اس پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے ہاں یہ بات نہیں۔ ان کے ہاں ڈنڈے سے کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ جالندھر میں انہوں نے سینما پر پکٹنگ (Picketing) کا انتظام کیا ہے۔ مسلمان سونٹے لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور جو لوگ سینما دیکھنے کے لئے آتے ہیں انہیں منت سماجت سے روکتے ہیں اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آئیں تو ان سے لڑنے جھگڑنے لگ جاتے ہیں۔

یہ ہماری جماعت کے لئے کتنی بڑی خوشی اور اس کے ایمان کو کتنی عظیم الشان ترقی دینے والی بات ہے کہ جو چیز آج سے بارہ سال پہلے 1934ء میں مَیں نے جماعت کے سامنے رکھی تھی اور ان دنوں رکھی تھی جبکہ احرار نے ہماری جماعت کو مٹانے کی متحدہ کوشش شروع

کی تھی۔ اسی چیز کی آج مسلمان اپنی مصیبت کے دنوں میں نقل کر رہے ہیں اور ان کے لئے سوائے اِس کے اَور کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ لفظاً لفظاً اُسی سکیم پر عمل کریں جو سکیم میری طرف سے جاری کی گئی تھی۔ انہوں نے ایک چیز بھی تو نئی نہیں نکالی۔ ساری کی ساری باتیں وہ ہیں جو تحریک جدید میں بیان ہو چکی ہیں۔ بے شک بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو ابھی انہوں نے اختیار نہیں کیں لیکن بہر حال آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں وہ باتیں انہیں اختیار کرنی پڑیں گی۔ کیونکہ تحریک جدید کے پروگرام میں سے کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جسے چھوڑا جا سکے۔ بے شک بعض چیزوں کی شکل بدلتی چلی جائے گی لیکن اصول وہی رہیں گے جو تحریک جدید میں مَیں نے بیان کئے ہیں۔ مثلاً مَیں نے یہ تحریک کی تھی کہ قادیان میں مکان بنائے جائیں اور امانت فنڈ میں باقاعدگی سے حصہ لیا جائے تا کہ اس روپیہ سے قادیان اور اس کے ارد گرد سلسلہ کے لئے جائیدادیں خریدی جائیں اور اس طرح مرکز کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنایا جائے۔ یہ تحریک بھی ایسی ہے جسے کسی صورت میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔ مسلمان اگر اپنی حفاظت چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ اپنا مرکز قائم کریں اور پھر اس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔ جب تک وہ بعض شہروں کو اپنے لئے مضبوط مرکز نہیں بنا لیتے۔ اس وقت تک وہ دشمن کے حملہ سے کُلّی طور پر محفوظ نہیں ہو سکتے اور نہ ان کی طاقت بڑھ سکتی ہے۔ پس بے شک میری تحریک میں یہ ذکر ہے کہ قادیان میں مکان بنائے جائیں اور سلسلہ کے لئے جائیدادیں خریدی جائیں لیکن وہ اپنے لئے بعض اَور شہر ایسے تجویز کر سکتے ہیں جو ان کے لئے مرکز کا کام دیں۔ بہر حال ان کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ اسی طرح وہاں جائیدادیں خرید کر اپنے مرکز کو مضبوط بنائیں جس طرح ہم نے اپنے مرکز کو مضبوط بنانے کی کوشش کی۔ میرے ذہن میں بعض شہر بھی ہیں جن کو مسلمان مرکز کے طور پر منتخب کر سکتے ہیں مگر اِس وقت اُن کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔ مَیں سرِ دست صرف اِسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اگر مسلمان ہندوستان میں ہندوؤں کے مقابلہ میں امن کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور وہ قومی طور پر اپنی طاقت کو بڑھانا چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہو گا کہ جیسے مَیں نے قادیان میں یہ سکیم جاری کی تھی ویسی ہی وہ سکیم بعض اَور شہروں کے متعلق بنائیں۔ جب تک وہ ایسا نہیں

کریں گے وہ ہندوؤں کے حملہ سے کُلّی طور پر محفوظ نہیں ہو سکیں گے۔ بہر حال اس سکیم کی کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جس سے آزاد ہو کر مسلمان ترقی کر سکیں۔

مجھے افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت میں اب یہ تحریک اُتنی مضبوط نہیں رہی جتنی پہلے ہوا کرتی تھی بلکہ آہستہ آہستہ اس کے اصول پر عمل کرنے میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ مَیں اَور لوگوں کو کیا کہوں جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی ایک خطبہ میں بیان کیا تھا خود ہمارے گھروں میں اِس پر پوری طرح عمل نہیں رہا تھا اور کئی بہانوں سے حکم کو کمزور کیا جاتا رہا۔ آخر اِس دفعہ ڈلہوزی میں مَیں نے وہی طریق اختیار کیا جو قرآن کریم میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بتایا گیا کہ اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ یا تو اِن اِن قواعد کی پابندی کرو ورنہ مجھ سے طلاق لے لو۔5 مَیں نے بھی اپنی بیویوں سے کہہ دیا کہ یا تو تم تحریک جدید پر عمل کرو اور اگر تم عمل کرنا نہیں چاہتیں تو مجھ سے طلاق لے لو۔ اس پر سب نے عہد کیا کہ وہ آئندہ تحریک جدید پر باقاعدگی سے عمل کیا کریں گی۔ چنانچہ اُس دن کے بعد ہمارے گھروں میں اس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم اپنے حالات کو نہیں بدلتے، جب تک ہم اپنے اخراجات کو بعض حدود میں نہیں رکھتے اور جب تک اپنے اندر جفاکشی اور محنت کی عادت پیدا نہیں کرتے اس وقت تک ہم دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اِس وقت دنیا سے جو ہماری لڑائی جاری ہے وہ اتنی عظیم الشان ہے کہ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہمیں کروڑوں کروڑ روپیہ پانی کی طرح نہیں گرد و غبار کی طرح اُڑانا پڑے گا۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہماری غریب جماعت یہ کروڑوں کروڑ روپیہ لائے گی کہاں سے؟ جب تک ہماری جماعت اپنے اخراجات پر پابندی عائد نہیں کر لیتی، جب تک ہماری جماعت کے اندر امراء اور غرباء میں برابری پیدا نہیں ہو جاتی، جب تک ہمارے اندر کامل طور پر احساس پیدا نہیں ہو جاتا کہ ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، جب تک کھانے کے لحاظ سے ہمارے اندر سادگی نہیں آجاتی، جب تک کپڑوں کے لحاظ سے ہمارے اندر سادگی نہیں آجاتی، جب تک زیورات کے لحاظ سے ہمارے اندر سادگی نہیں آجاتی، جب تک قربانی اور ایثار اور محنت کی عادت ہمارے اندر پیدا نہیں ہو جاتی اُس وقت تک ہم دین کے لئے قربانی کس طرح

کر سکتے ہیں۔ اگر کبھی دین کے لئے ہمیں اپنے وطنوں سے ہجرت کرنی پڑی تو ہم ہجرت کس طرح کر سکیں گے۔ اگر ہماری جماعت کے افراد کو جیل خانوں میں جانا پڑا تو وہ جیل خانوں میں کس طرح جا سکیں گے۔ آخر لوگ جیل خانوں میں کیوں خوشی سے نہیں جاتے؟ اِسی لئے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ یہاں تو ہمیں اچھا کھانا اور اچھا کپڑا ملتا ہے مگر وہاں نہ کھانا اچھا ملے گا نہ کپڑا، اور مشقّت کی زندگی بسر کرنی پڑے گی۔ اگر ایک شخص نے اپنے گھر میں بھی اچھا کھانا چھوڑ رکھا ہو، اچھا کپڑا پہننا ترک کر رکھا ہو اور محنت اور مشقّت کے کاموں کا عادی ہو تو اُس کے لئے جیل خانہ میں جانا کوئی بڑی بات نہیں ہو گی۔ وہ کہے گا یہاں رہے تو کیا اور وہاں گئے تو کیا۔ کوئی فرق تو نہیں۔ اس کی مثال بالکل ویسی ہی ہو گی جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک نابینا آدمی رات کے وقت کسی سرائے میں بیٹھا دوسروں سے باتیں کر رہا تھا اور اس کی باتیں بہت لمبی ہو گئیں۔ پاس ہی ایک بیمار شخص لیٹا ہوا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ باتیں ختم ہونے میں ہی نہیں آتیں تو اُس سے برداشت نہ ہو سکا تو اُس نے کہا حافظ صاحب! باتیں بہت ہو چکیں اب سو رہو۔ حافظ صاحب نے جواب دیا "ساڈا سونا کی اے چُپ ہی ہو رہنا ہے۔" سونے کی دو ہی علامتیں ہیں ایک آنکھوں کا بند ہو جانا، دوسرے خاموش ہو جانا۔ سو آنکھیں تو خدا تعالیٰ نے میری پہلے ہی بند کی ہوئی ہیں اب میرے لئے سونا سوائے اس کے اَور کیا ہے کہ مَیں خاموش ہو جاؤں۔ تو جو انسان اپنے لئے آپ جیل خانہ تیار کر لیتا ہے وہ جیل خانہ سے کب گھبرا سکتا ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِّلْمُؤْمِنِ **6** دنیا مومن کے لئے جیل خانہ ہوتی ہے۔ اِس حدیث کا منشاء درحقیقت یہی ہے کہ تم اپنی زندگی کو سادہ بناؤ اور اس طرح محنت اور مشقت کے عادی بنو کہ تمہارے لئے باہر بھی جیل خانہ ہی بنا رہے۔ جب کسی کی یہ حالت ہو جائے تو وہ جیل خانہ میں جانے سے ڈرے گا نہیں، بلکہ کہے گا کہ یہاں رہے یا وہاں بات ایک ہی ہے۔ فرق اگر ہے تو صرف اتنا کہ باہر اپنے پیسے سے کھانا کھایا کرتے تھے اور اندر دوسروں کے پیسے سے کھانا کھایا کریں گے۔

غرض تحریک جدید کے تمام اصول ایسے ہیں کہ اُن پر عمل قومی ترقی کے لئے نہایت ضروری چیز ہے اور آج جبکہ دوسرے لوگ بھی اُن اصول پر عمل کر رہے ہیں ہماری جماعت کو

اِس سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور پہلے سے بھی زیادہ زور کے ساتھ اس تحریک کو زندہ کرنا چاہئے۔ دوسرے لوگوں کا اِس تحریک پر عمل ہماری جماعت کے لئے ایسا ہی ہے جیسے کسی کے منہ پر چپیڑ مار دی جائے۔ اگر ہماری جماعت نے اِس تحریک پر عمل نہ کیا اور دوسرے لوگ عمل کر کے اسکے فوائد سے متمتع ہو گئے تو یہ ایک نہایت ہی افسوس ناک بات ہو گی اور دنیا یہ کہنے پر مجبور ہو گی کہ جس جماعت کو اس کے امام نے یہ ہدایات دی تھیں اس نے تو اس پر عمل نہ کیا اور غیروں نے اس پر عمل کر کے فائدہ اٹھالیا۔ حالانکہ ہماری شریعت کا حکم ہے كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا 7 حکمت کی بات مومن کی گم شدہ متاع ہوتی ہے۔ جہاں سے بھی اسے ملتی ہے وہ فوراً اسے اٹھالیتا ہے۔ پس ہمارا کام تو یہ ہونا چاہئے کہ اگر ہم کسی دوسرے کے منہ سے بھی حکمت کی کوئی بات سنیں تو اُس کو فوراً اٹھالیں۔ کُجا یہ کہ ہماری چیز دوسرے لوگ اٹھالیں اور ہم اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

پس اس خطبہ کے ذریعے مَیں ایک دفعہ پھر جماعت کو تحریک جدید کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنی سُستی اور غفلت کو دور کرے اور اپنے اعمال کا جائزہ لے کر غور کرے کہ وہ تحریک جدید کے اصول پر کس حد تک عمل کر رہی ہے۔ جماعتوں میں ہر جگہ تحریک جدید کے سیکرٹری مقرر ہیں۔ مگر اُن کا کام صرف یہ نہیں کہ لوگوں سے چندہ وصول کریں بلکہ اُن کا یہ بھی کام ہے کہ وہ تحریک جدید کی سکیم پر لوگوں کو عمل کرنے کی تحریک کریں۔

مَیں نے گزشتہ عرصہ میں نہایت افسوس کے ساتھ یہ بات دیکھی ہے کہ صدر انجمن احمدیہ کی شاخیں تحریک جدید کے ساتھ رقابت رکھتی ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ تحریک جدید کے پروگرام کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں وہ اس کے رستہ میں روک بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کے حضور صدر انجمن احمدیہ کا نام پیش نہیں ہو گا، خدا تعالیٰ کے حضور تحریکِ جدید کا نام پیش نہیں ہو گا، خدا تعالیٰ کے حضور یہ نہیں دیکھا جائے کہ کون سیکرٹری اور کون پریذیڈنٹ تھا۔ خدا تعالیٰ تو یہ دیکھے گا کہ جماعت نے اس سکیم کو کامیاب کرنے کی کوشش کی یا نہیں جو اس کے امام نے اس کے سامنے رکھی تھی۔ اگر جماعت نے اپنے فرض کو نہیں پہچانا

اور اس نے اس سکیم کو کامیاب بنانے کی کوشش نہیں کی جو خلیفۂ وقت کے منہ سے نکلی۔ تو چاہے صدر انجمن احمدیہ نام رکھ لو یا کچھ اَور۔ یہ ایک ذلیل ترین چیز ہوگی۔ پس مَیں جماعتوں کو متنبہ کرتا ہوں اور انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ مَیں اس چیز کو دیکھ رہا ہوں اور افسوس سے دیکھ رہا ہوں۔ اگر انہوں نے اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کی تو شاید مجھے کوئی ایسا قدم اٹھانا پڑے گا جو ان کے لئے تکلیف دہ ہو۔ جماعت کا ہر فرد جو اِس سلسلہ میں منسلک ہے اُس کا فرض ہے کہ امام کی طرف سے جو بھی آواز بلند ہو اس پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تحریک کرے۔ اور چاہے صدر انجمن احمدیہ ہو یا کوئی اور انجمن۔ حقیقی معنوں میں وہی انجمن سمجھی جاسکتی ہے جو خلیفۂ وقت کے احکام کو ناقدری کی نگاہ سے نہ دیکھے بلکہ ان پر عمل کرے اور کرتی چلی جائے اور اس وقت تک آرام کا سانس نہ لے جب تک ایک چھوٹے سے چھوٹا حکم بھی ایسا موجود ہو جس پر عمل نہ کیا جاتا ہو۔ پس ہر احمدی جس نے منافقت سے میری بیعت نہیں کی اور ہر احمدی جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہونا چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ خلیفۂ وقت کے احکام پر عمل کرنے اور دوسروں سے عمل کرانے کے لئے کھڑا ہو جائے اور صرف اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے متعلق جوابدہ سمجھے۔ اگر امام کی طرف سے ایک آواز بلند ہوتی ہے، سننے والے سنتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرنے کی بجائے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو خواہ اِس قسم کا کام کرنے والی صدر انجمن احمدیہ ہو، خواہ تحریک جدید کا کوئی سیکرٹری ہو، خواہ فنانشل سیکرٹری ہو یا امیر جماعت مقامی ہو یا کوئی اور عہدیدار ہو۔ وہ محض اپنے نام سے اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو نہیں ہوسکتے۔ ان کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ ان کا عمل منافقانہ عمل ہے اور ان کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے اپنے امام کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت حضرت ابو بکرؓ نے ایک تقریر کی۔ جس میں فرمایا اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد ؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ محمد ؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارا خدا زندہ ہے اور وہ کبھی مر نہیں سکتا۔[8] اسی طرح

مَیں کہتا ہوں جس نے خلیفۂ وقت کی بیعت کی ہے اسے یاد رکھنا چاہئے کہ خلیفۂ وقت کی بیعت کے بعد اس پر یہ فرض عائد ہو چکا ہے کہ وہ اس کے احکام کی اطاعت کرے۔ اور اگر کسی نے صدر انجمن احمدیہ کی بیعت کی ہے تو اس سے خدا وہی معاملہ کرے گا جو صدر انجمن احمدیہ کی بیعت کے نتیجہ میں ہو سکتا ہے۔ خلیفۂ وقت کی بیعت کرنے والوں میں وہ شامل نہیں ہو گا۔

پس مَیں جماعت کو پھر متنبہ کرتا ہوں کہ اسے اپنے حالات کی اصلاح کرنی چاہئے۔ ہمارے سپرد ایک بہت بڑا کام ہے اور وہ کام کبھی سرانجام نہیں دیا جا سکتا جب تک ہر شخص اپنی جان اس راہ میں لڑا نہ دے۔ پس تم میں سے ہر شخص خواہ دنیا کا کوئی کام کر رہا ہو اگر وہ اپنا سارا زور اس غرض کے لئے صَرف نہیں کر دیتا، اگر خلیفۂ وقت کے حکم پر ہر احمدی اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار نہیں رہتا، اگر اطاعت اور فرمانبرداری اور قربانی اور ایثار ہر وقت اس کے سامنے نہیں رہتا تو اس وقت تک نہ ہماری جماعت ترقی کر سکتی ہے اور نہ وہ اشخاص مومنوں میں لکھے جا سکتے ہیں۔ یاد رکھو! ایمان کسی خاص چیز کا نام نہیں بلکہ ایمان نام ہے اس بات کا کہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ نمائندہ کی زبان سے جو بھی آواز بلند ہو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔ اگر اسلام اور ایمان اِس چیز کا نام نہ ہوتا تو محمد صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہوتے کسی مسیح کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اگر محمد صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہوتے مسیح موعود کی ضرورت تھی تو مسیح موعود کے ہوتے ہماری بھی ضرورت ہے۔ ہزار دفعہ کوئی شخص کہے کہ مَیں مسیح موعود پر ایمان لاتا ہوں، ہزار دفعہ کوئی کہے کہ مَیں احمدیت پر ایمان رکھتا ہوں۔ خدا کے حضور اس کے ان دعووں کی کوئی قیمت نہیں ہو گی جب تک وہ اس شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیتا جس کے ذریعہ خدا اس زمانہ میں اسلام قائم کرنا چاہتا ہے جب تک جماعت کا ہر شخص پاگلوں کی طرح اس کی اطاعت نہیں کرتا اور جب تک اس کی اطاعت میں اپنی زندگی کا ہر لحہ بسر نہیں کرتا اُس وقت تک وہ کسی قسم کی فضیلت اور بڑائی کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ پس مَیں جماعت کو ایک دفعہ پھر بیدار کرتا ہوں اور ایسے وقت میں بیدار کرتا ہوں جبکہ حالات نہایت نازک صورت اختیار کر رہے ہیں۔ ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر ایک نیا تغیر پیدا کرے، ایک نئی زندگی پیدا کرے، ایک نئی بیداری پیدا کرے اور اسلام کی ترقی کے لئے جن قربانیوں کی ضرورت ہے اُن میں بڑھ چڑھ کر

حصہ لے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا قدم خدا تعالیٰ کے فضل سے آگے کی طرف بڑھ رہا ہے مگر جُوں جُوں ہمارا قدم بڑھ رہا ہے مشکلات بھی بڑھتی جارہی ہیں اور قربانیوں کے مطالبات بھی بڑھتے چلے جائیں گے۔ واقع یہ ہے کہ موجودہ قربانیوں سے ہم دنیا کو فتح نہیں کرسکتے، موجودہ ذہنیتوں سے ہم دنیا کو فتح نہیں کرسکتے، موجودہ کشمکش سے ہم دنیا کو فتح نہیں کرسکتے، موجودہ حالات سے ہم دنیا کو فتح نہیں کرسکتے، جب تک ہم اپنی زندگی میں سادگی پیدا نہیں کرتے، جب تک ہم اپنی عبادات میں سوز اور گداز پیدا نہیں کرتے، جب تک ہم اپنی قربانیوں کو زیادہ اعلیٰ معیار پر نہیں پہنچاتے، جب تک ہم اپنی جدوجہد کی رفتار کو کئی گُنا زیادہ تیز نہیں کر دیتے، جب تک ہم اپنے کاموں میں زیادہ یکجہتی اور اتحاد کا ثبوت نہیں دیتے اس وقت تک وہ برکتیں اور رحمتیں نازل نہیں ہوسکتیں جو اِس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کے لئے مخصوص کی ہیں۔ وہ تو ایسی شرط کے ساتھ مخصوص ہیں کہ ہم اپنا فرض ادا کریں۔ جب ہم اپنا فرض ادا کر دیں گے تو خدا تعالیٰ کی رحمتیں ہم پر نازل ہونے لگ جائیں گی۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ جماعت موجودہ حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کرے گی اور وہ اپنی غفلت اور کوتاہیوں کا ازالہ کرے گی۔ اس سلسلہ میں مَیں تمام جماعت سے درخواست کرتا ہوں کہ قادیان میں بھی اور بیرونی جماعتوں میں بھی ہر جگہ جلسے کئے جائیں۔ لجنہ اماء اللہ الگ جلسے کرے، انصار اللہ الگ جلسے کریں، خدام الاحمدیہ الگ جلسے کریں اور تحریک جدید کے مطالبات اور اس کے اصول کو پھر تازہ کیا جائے۔ پھر جماعت کے قلوب میں ان اصول کو راسخ کیا جائے اور پھر جماعتوں میں بیداری اور ہوشیاری پیدا کی جائے۔ بڑے شہروں میں جہاں جماعتیں مختلف حلقوں میں منقسم ہوں وہاں الگ الگ حلقوں میں جلسے کئے جائیں اور دوبارہ تحریک جدید کو زندہ کر کے اور اس کے مطالبات کی اہمیت بتا کر لوگوں کے اندر زیادہ سے زیادہ قربانی اور ایثار کا مادہ پیدا کیا جائے۔ آئندہ ہمیں کفر سے جو جنگ پیش آنے والی ہے وہ پہلی جنگوں سے بہت بڑھ کر ہو گی اور اس میں پہلی قربانیوں سے بہت زیادہ قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ اگر ہم وہ قربانیاں پیش نہیں کریں گے تو ہمارا انجام اچھا نہیں ہو گا اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور کبھی سرخرو نہیں ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے

دعا ہے کہ وہ ہماری جماعت کے ہر فرد کو بُرے انجام سے بچائے اور اسے قربانیوں کے میدان میں ہمیشہ اپنا قدم آگے ہی آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ قیامت کے دن ہمارا اس کے حضور پیش ہونا ایک کامیاب اور بامراد اور باوفا خادم کی طرح ہو نہ کہ بے وفا اور ناکام اور غدار خادم کی مانند۔" (الفضل 15 نومبر 1946ء)

1: الضُّحٰی: 12

2: العلق: 2 تا 5

3، 4: بخاری کتاب بَدْءُ الْوَحْیِ بَابُ کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْیِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ (الخ)

5: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا (الاحزاب: 29)

6: صحیح مسلم کتاب الزهد والرقائق باب الدنیا سجن للمؤمن و جنة للكافر

7: ابن ماجه کتاب الزهد باب الحكمة میں یہ الفاظ ہیں۔" اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ حَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔"

8: بخاری کتاب فضائل اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ باب قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا